خالد ندیم

# اردو میں صنعتِ تلمیع کی چند مثالیں

تلمیع (تلمیح نہیں) علمِ بدیع کی ایک صنعت ہے۔ تلمیع کو ملمع بھی کہتے ہیں۔ شان الحق حقی لفظ 'ملمع' کے معنی 'چمکایا ہوا' لکھتے ہیں اور یہ کہ 'جس پر سونے یا چاندی کا پانی پھیرا گیا ہو'؛ جب کہ صنعتِ ملمع کو 'نظم میں دو مختلف زبانوں کے ملے جلے مصرعوں یا ٹکڑوں کی پیوند کاری' قرار دیتے ہیں،[۱] اسی طرح قاضی عبدالقدوس عرشی ڈبائیوی کے نزدیک 'رنگ برنگ کے نقطے لگانا' اور 'کلام میں ایک سے زیادہ زبانوں کو جمع کرنا' تلمیع کہلاتا ہے۔[۲] یہی وجہ ہے کہ تلمیع کو 'ذولسانین' یا 'ذولغتین' بھی کہا جاتا ہے۔

صنعتِ تلمیع کی ابتدائی مثالیں فارسی میں ملتی ہیں۔ جب عربی تراکیب فارسی شاعری کا حصہ بننے لگیں تو اس عمل کو تلمیع سے تعبیر کیا گیا۔ مولوی نجم الغنی رامپوری کے مطابق، 'یہ صنعت اس طرح پر ہے کہ کلام میں زبان ہائے مختلف کو جمع کر دیں'،[۳] چنانچہ 'تلمیع' شعر و سخن کی وہ صورت قرار پاتی ہے، جس میں ایک مصرعے کے دو حصے دو مختلف زبانوں پر مشتمل ہوں یا ایک شعر کے دو مصارع یا ایک بند کے مختلف مصارع یا اشعار میں مختلف زبانیں جمع کر دی جائیں؛ یعنی کسی مصرعے کا نصفِ اوّل ایک زبان میں اور نصفِ آخر دوسری میں یا ایک شعر کے دو مصارع مختلف زبانوں میں یا پھر کسی ایک بند کے مختلف مصارع مختلف زبانوں میں ہوں۔

پروفیسر انور جمال کے خیال میں 'تلمیع وہ صنعت ہے، جس کو شعرا نے قادرالکلامی کے اظہار کے لیے شعوری طور پر اپنایا'۔ یقیناً یہ کام وہی شاعر کر سکے گا، جسے کم سے کم دو زبانوں پر مکمل دسترس ہو اور جو دو یا زائد زبانوں کو ایک بحر میں جمع کر سکے؛ چنانچہ پروفیسر صاحب کے خیال میں، 'ایسا

شاعر اپنی طبعِ رواں کو جس طرح چاہے، کامرانی کے ساتھ لے جا سکتا ہے۔[۴] گویا تلمیع علمِ بدیع کی ایک ایسی صنعت ہے، جس کے تحت شعری ضرورتوں اور فنی پختگی کے اظہار کے لیے ایک مصرع، شعر یا بند میں ایک سے زائد زبانوں کو جمع کیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں واضح رہنا چاہیے کہ یہ مشق تفننِ طبع سے تعلق نہیں رکھتی، جیسا کہ بالعموم سرکاری یا قومی زبانوں میں علاقائی زبانوں کے الفاظ یا مرکبات یا جملے محض مزاح پیدا کرنے یا ان کی تحقیر کے لیے شامل کیے جاتے ہیں؛ جب کہ تلمیع کا مقصد یہ ثابت کرنا ہوتا ہے کہ مختلف زبانوں پر شاعر کی گرفت اس قدر مضبوط ہے کہ وہ تخلیقی لمحات میں مختلف زبانوں کو تخلیقی شان سے استعمال کر سکتا ہے۔ اپنے کلام میں دیگر زبانوں کے اجزا شاعر کے طبع زاد ہوں تو تلمیع کہلائیں گے، ورنہ دیگر شعرا کے مصارع یا اشعار کو اپنے کلام کا حصہ بنانا تضمین کہلاتا ہے۔ کسی کلام میں آیاتِ قرآنی یا احادیث کے اجزا کی شمولیت بھی تلمیع نہیں، بلکہ ایسے الفاظ یا مرکبات کو اقتباس کا نام دیا جاتا ہے۔ صنعتِ تلمیع کو برتنا سہل نہیں، کیوں کہ مختلف زبانوں پر عبور ہونے کے باوجود اُن سب کو ایک معیار سے اپنے کلام میں استعمال کرنا جوے شیر لانے کے مترادف ہے۔

فارسی شاعری میں قرۃ العین طاہرہ نے صنعتِ تلمیع کے حوالے سے بڑی شہرت حاصل کی۔ فارسی قصائد اور مراثی میں بالخصوص تلمیع کی بکثرت مثالیں ملتی ہیں۔ مولانا جامی کی ایک نعت کا مطلع اور مقطع دیکھیے، جن کا مصرعِ اولیٰ فارسی اور مصرعِ ثانی عربی میں ہے:

اے دَرَت کعبۂ اربابِ نجات　　قبلتی وجهك فی کل صلات
جامی از درد تو جاں داد و نگفت　　فهو ممن کتم العشق فمات[۵]

عربی زبان میں اس کی ایک بہترین مثال شاہ عبدالحق محدث دہلوی کے ہاں ملاحظہ فرمائیے، جن کے ایک قطعے کے پہلے تین مصارع عربی میں ہیں، جب کہ آخری مصرع فارسی میں:

یا صاحب الجمال و یا سید البشر　　من وجهك المنیر لقد نور القمر
لا یمکن الثناء کما کان حقهٗ　　بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر[۶]

اردو شعر و ادب میں اس کا آغاز حضرت امیر خسرو سے ہو گیا تھا اور مختلف ادوار میں بعض نمایاں شعرا نے اس پر توجہ دی ہے۔ جن شعرا نے اس صنعت کو برتا ہے، ان میں سے بعض کے ہاں سے مثالیں



پیش کر کے اس صنعت کی روایت اور اس کے امکانات کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ دو یا زائد زبانوں کو یک جا کرنے کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں، چنانچہ ان مختلف اندازِ ہائے تلمیع پر ذیل میں مثالوں کے ذریعے سے گفتگو کی جاتی ہے۔ اگر ایک شعر میں دو زبانیں جمع کی جائیں تو اسے 'ملمع مکشوف' کہتے ہیں، مثلاً امیر خسروؒ کی معروف غزل میں فارسی اور بھاشا (قدیم اردو) کو یک جا کیا گیا ہے:

ز حالِ مسکیں مکن تغافل دورائے نیناں بنائے بتیاں
کہ تابِ ہجراں ندارم اے جاں! نہ لیہو کاہے لگائے چھتیاں[۷]

مولوی سلامت اللہ کشفی کے ہاں امیر خسروؒ کے برعکس مصرعے کا نصف اوّل اردو میں ہے اور نصف آخر فارسی میں، مثلاً:

کیا نورِ خدا از رُخِ خوبِ تو عیان ست　　کہتے ہیں اسی رُو سے عیاں راچہ بیان ست
کیا یوسفِ مصری ہے نظیرِ شہِ بطحا؟　　وہ چشم کہاں اور کہاں جانِ جہان ست
یہ صورتِ حق ہے کہ مصوّر بہ بشر شد　　اس کا ہی ظہور، ایں ہمہ در کون و مکان ست[۸]

ایسا بھی ہوتا ہے کہ مصرعِ اولیٰ کا نصف اوّل کسی دوسری زبان میں ہو اور باقی سارا شعر اردو میں، مثال کے طور پر ضامن کے درج ذیل اشعار:

ز تیغِ عشقش شہید گشتم، نہ تابِ ہجراں، قسم خدا کی!
خراب وحشی بنا دے ساقی! شرابِ وحدت پلا کے ہم کو
چو عشق آمد درونِ جانم! تو شور برپا ہوا قیامت
جگایا تُو نے جنونِ وحشت، مزار میں بھی سلا کے ہم کو
کجا صراحی کدام میکش، ہوئی ہے وحشت یہ محتسب کو
ہم آپ بیٹھے ہیں غم کے مارے، نہ چھیڑو بندو خدا کے، ہم کو[۹]

تلمیع کی ایک قسم 'ملمع مکشوف' ہے، جس کے تحت ایک شعر کا ایک مصرع ایک زبان میں ہوتا ہے تو دوسرا دوسری زبان میں، مثلاً امیر خسروؒ کے مذکورہ بالا مطلع کے بعد ہر شعر کا پہلا مصرع فارسی کا اور

دوسرا بھاشا میں، مثلاً:

شبانِ ہجراں دراز چوں زلف و روزِ وصلش چو عمر کوتاہ
سکھی پیا کوں جو مَیں نہ دیکھوں تو کیسے کاٹوں اندھیری رتیاں
یکا یک از دل دو چشم جادو بصد فریبم ببردِ تسکیں
کسے پڑی ہے جو جا سناوے پیارے پی کو ہماری بتیاں
چوں شمع سوزاں چوں ذرّہ حیراں ز مہر آں مہ بگشتم آخر
نہ نیند نیناں، نہ انگ چیناں، نہ آپ آوے، نہ بھیجے پتیاں(۱۰)

مولوی نجم الغنی رامپوری کی ایک غزل کے ہر شعر کا مصرعِ اولیٰ فارسی میں اور مصرعِ ثانی اردو میں ہے:

اے سروِ خوش خرامِ گلستانِ دلبری     غلماں ترے غلام، کنیزک تری پری
در گلشنِ دلم، بامید بر وصال     رہتی ہے شاخِ نخلِ تمنا سدا ہری(۱۱)

علامہ شبلی نعمانی کی نظم 'تعمیر مسجدِ نبوی' کا آخری شعر دیکھیے:

صلّوا علی النّبی و اصحابہ الکرام
اس نظمِ مختصر کا یہ مسک الختام ہے(۱۲)

علامہ محمد اقبال کے ہاں ایسے متعدد اشعار جستہ جستہ ملتے ہیں، مثلاً:

گاہ بحیلہ می برد، گاہ بزور می کشد
عشق کی ابتدا عجب، عشق کی انتہا عجب(۱۳)

---

محبت خویشتن بینی، محبت خویشتن داری
محبت آستانِ قیصر و کسریٰ سے بے پروا(۱۴)

لیکن بعض مقامات پر پہلا مصرع اردو کا ہے تو دوسرا کسی اَور زبان کا۔ اقبال کے درج ذیل اشعار ملاحظہ کیجیے:



جہاں میں خواجہ پرستی ہے بندگی کا کمال
رضائے خواجہ طلب کن قبائے رنگیں پوش(۱۵)

---

تری نظر کو رہی دید میں بھی حسرتِ دید
خنک دلے کہ تپید و دمے نیاسائید(۱۶)

---

وہ کلیمِ بے تجلی، وہ مسیحِ بے صلیب
نیست پیغمبر ولیکن در بغل دارد کتاب(۱۷)

نظیر اکبر آبادی کے ہاں مخمس کی ہیئت میں 'منقبت در شانِ امیر المومنین حضرت علیؑ' کا پہلا بند ملاحظہ کیجیے، جس کا آخری مصرع فارسی میں ہے:

کروں کیا وصف مَیں اُن کا الم ناک     کہ جن کی شان میں آیا ہے لولاک
پھرا جو عرش اور کرسی پہ چالاک     کہاں وہ اور کہاں میرا یہ اِدراک
چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک(۱۸)

پروانہ شاہ پوری نے اپنی ایک نعت میں اردو اور پنجابی زبانوں کو اس طور برتا ہے کہ مصرعِ اولیٰ اردو اور مصرعِ ثانی پنجابی زبان میں ہے:

جب بھی عشاق مدینے کا سفر کرتے ہیں
میرے جذبے وی کریندے نیں اُڑی جاوَن دی
اُن کے قدموں کی شبیہوں پہ رکھوں اپنی جبیں
میری اکھیاں چوں لگی ہووے جھڑی ساوَن دی
خاکِ بطحا میں مِری خاک بھی پنہاں کر دے
مینوں مشکل ہے جدائی دی بھری جاوَن دی

اُن کے دربار میں اِک بار اگر جا پہنچوں
مُڑ کے آوے نہ کدی مُڑ کے گھڑی آوَن دی[۱۹]

تلمیع کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ کسی کلام میں مکمل شعر کسی دوسری زبان کا شامل ہو، جیسا کہ نظیرا کبرآبادی نے مسدس کی ہیئت 'کنہیا جی کی راس' میں اردو اور ہندی کو جمع کیا ہے۔ نظم کا پہلا بند ملاحظہ ہو، جس کے پہلے چار مصارع اردو اور آخری دو ہندی کے ہیں:

کیا آج رات عشرت و فرحت اساس ہے
ہر گُل بدن کا رنگیں و زرّیں لباس ہے
محبوب دلبروں کا ہجوم آس پاس ہے
بزمِ طرب ہے، عیش ہے، پھولوں کی باس ہے
ہر آن گوپیوں کا یہی مکھ بلاس ہے
دیکھوں بہاریں، آج کنہیّا کی راس ہے[۲۰]

میرؔسوز کی ایک غزل کا مطالعہ کیجیے:

مروّت دشمنا! غفلت پناہا! — اِدھر ٹک دیکھ لیجو مڑ کے آہا
بہت چاہا کہ تُو بھی مجھ کو چاہے — ولے تُو نے نہ چاہا، پَر نہ چاہا
کٹی اوقات سب باطل ہماری — خداوندا! کریما! بادشاہا!
صَرَفتُ العمر فی لهو و لعب — فـآهـا! ثـم آهـا! ثـم آهـا![۲۱]

اس کی سب سے اعلیٰ مثالیں اقبال کے ہاں ملتی ہیں، لیکن یہ سب اشعار فارسی زبان میں ہیں۔ اقبال کے کلام میں بعض نظموں میں صرف ایک شعر، بعض میں متعدد اور بعض میں متواتر کئی اشعار فارسی زبان کے شامل ہوئے ہیں۔ ''بالِ جبریل'' کے 'غزلیات، حصہ اوّل' کی غزل ۱۶ میں فارسی کے دو اشعار موجود ہیں۔ مطلع اور فارسی شعر درج کیا جاتا ہے:

یا رَب! یہ جہانِ گزَراں خوب ہے، لیکن — کیوں خوار ہیں مردانِ صفا کیش و ہنر مند
تو برگِ گیاہے ندہی اہلِ خرد را — او کِشتِ گُل و لالہ بخشد بہ خرے چند



پُر سوز و نظر باز و نکوبین و کم آزار — آزاد و گرفتار و تہی کیسہ و خورسند[۲۲]

درج بالا غزل سمیت اقبال کی چوبیس منظومات میں کم وبیش ترپین (۵۳) طبع زاد فارسی اشعار کلیاتِ اردو میں جمع ہو گئے ہیں۔ کسی نظم میں زیادہ سے زیادہ اشعار کی تعداد دس ہے، یعنی 'ملازادہ ضیغم لولابی کشمیری کا بیاض'۔ یہ نظم اٹھارہ اجزا میں منقسم ہے اور غزل کی ہیئت میں ہے۔ دوسری ایسی نظم 'طلوعِ اسلام' ہے، جس کے آخری نو اشعار فارسی میں ہیں۔ آٹھویں بند کا آخری شعر فارسی زبان میں ہے، جس کا مصرعِ اولیٰ اقبال کا طبع زاد، جب کہ دوسرا نظیری نیشاپوری کا ہے؛ اسی طرح نویں بند کا آخری بند حافظ کا ہے؛ البتہ آخری بند کے باقی سات فارسی اشعار اقبال کے طبع زاد ہیں۔ 'شمع اور شاعر' کا آغاز 'شاعر' سے ہوتا ہے، جس کے تحت پانچوں اشعار فارسی میں ہیں۔ نظم 'مسعود مرحوم' تین بندوں پر مشتمل ہے اور تینوں بند فارسی شعر پر اختتام پذیر ہوتے ہیں۔ پہلا بند سعدی کے شعر پر، جب کہ دوسرا اور تیسرا بند اقبال کے طبع زاد فارسی شعر پر ختم ہوتا ہے۔ سات اشعار پر مبنی نظم 'ارتقا' میں چار شعر اردو میں ہیں، باقی تین فارسی اشعار میں سے آخری فرج اللہ فرج ترشیزی کا ہے، جو تضمین کہلائے گا؛ جب کہ دو (چوتھا اور پانچواں) اقبال کے، جو تلمیع کی ذیل میں آتے ہیں۔ نظم ملاحظہ کیجیے:

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز — چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی
حیات شعلہ مزاج و غیور و شور انگیز — سرشت اس کی ہے مشکل کشی، جفا طلبی
سکوتِ شام سے تا نغمۂ سحر گاہی — ہزار مرحلہ ہاے فغانِ نیم شبی
کشاکشِ زم و گرما، تپ و تراش و خراش — ز خاکِ تیرہ دُروں تا بہ شیشۂ حلبی
مقامِ بست و شکست و فشار و سوز و کشید — میانِ قطرۂ نیسان و آتش عنبی
اسی کشاکشِ پیہم سے زندہ ہیں اقوام — یہی ہے رازِ تب و تابِ ملتِ عربی
''مغاں کہ دانۂ انگور آب می سازند — ستارہ می شکنند، آفتاب می سازند''[۲۳]

اس کی ایک مثال نظیرا کبرآبادی کے ہاں بھی دیکھتے چلیں۔ انیس بندوں پر مشتمل مخمس کی ہیئت میں ایک نظم 'جنوں' کا چوتھا بند فارسی زبان میں ہے۔ یہاں پہلے چار بند پیش کیے جاتے ہیں، تا کہ فارسی بند کا پس منظر معلوم ہو سکے:

کروں احوال کا اپنے بیاں کیا تجھ سے میں یارا
مرا جی نقدِ دل جس دِن بساطِ عشق میں ہارا
پھرا از بس جو کوہ و دشت میں راتوں کو آوارہ
سحر آیا جونہی مَیں کلبۂ احزاں میں بے چارہ
وہیں اِک بارگی جوشِ جنوں نے دل کو للکارا
کہ بس کیا کر چکا عمر اپنی صرف، اے شعلۂ آتش
دیا آیا تِری گرمی میں حرف، اے شعلۂ آتش
نہیں نالا، تُو ہے دریاے ژرف، اے شعلۂ آتش
پڑا ہے کیا فسردہ مثلِ برف، اے شعلۂ آتش
بہار آئی، دِکھا گر تجھ میں ہے کچھ قوت و یارا
یہ سنتے ہی بھبوکا ہو گیا دل طیش میں آ کر
لیا اِک ایسا چکر، جس طرح پھرتا ہے گھن چکر
کنار و جیب کی سب دھجیاں کر ڈالیں سر تا سر
اڑا کر گرد، مل کر خاک نکلا گھر سے پھر باہر
پڑھا یہ بند اور 'ھوٗ' کر کے نالہ آہ کا مارا
چناں اکنوں ز خود رفتم نمی دانم کجا ہستم
بہ رنگِ جاں گزشتم از سرِ رہ از کہ پیوستم
زرہ بگرفت اکنوں ایں زماں شورِ جنوں دستم
ہجومِ محشرم ہنگامہ ام دیوانہ ام مستم
نہ از پا می شناسم سر نمی دانم ز سر یارا[۲۴]

شبلی نعمانی کی نظم 'در تہنیت شادی کدخدائی آنریبل جسٹس سیّد محمود' تین بندوں پر مشتمل ہے، جن میں سے پہلا (دس اشعار) اور آخری (گیارہ اشعار) اردو میں، جب کہ دوسرا فارسی (چار اشعار) میں



ہے۔ یہاں دوسرا بند مکمل دیا جا رہا ہے، جب کہ شروع میں دوسرے بند کا آخری شعر اور فارسی بند کے بعد تیسرے بند کا پہلا شعر بھی درج کر دیا ہے، تاکہ فارسی اشعار کا محل معلوم ہو سکے:

مژدہ، اے بادہ کشو! اب تمھیں ڈر کس کا ہے — ابر کا عالمِ بالا پہ بھی ہے اب تو عمل
ہاں وہاں بزم بیارا ے و بہ پیماے قدم — ہاں وہاں زمزمہ می سنج و بفرماے غزل
بادہ بر فرخی شادیِ محمود بہ نوش — آں کہ در انجمنِ فضل بود صدرِ اجل
آں کہ پیدا ز رخش معنیٔ سرّ لابیہ — آں کہ مضمر بہ دلش سیرتِ اسلاف اوّل
چوں بہ غیبت نتواں شرحِ تمنا گفتن — سخن اکنوں بہ خطابِ تو تواں کرد بدل
قوم کو ناز ہے، اے سیّدِ والا! تجھ پر — جمعِ اسلام کو ہے آج تری ذات پہ بل[۲۵]

یہاں ڈاکٹر زاہد منیر عامر (پ: ۱۹۶۶ء) کی ایک معریٰ ہیئت میں کہی گئی اردو نعت کے دوسرے بند سے چند مصارع نقل کیے جاتے ہیں، جن میں فارسی مصارع کو بھی جگہ دی گئی ہے:

میں ایک عاصیٔ کج مج، قلم بہ چشمِ نم
اسیرِ ارض، نظر کرسیٔ فلک پر کم
ز بحرِ ظلمت و کوتاہ بینیٔ عالم
نجات گریہ کنم از درِ امیرِ اُممؐ
بہ حالِ خوار و زبوں، داشتم دلِ محزوں
بخواستم کہ بیایم ز بحرِ غم بیروں
رسیدہ جام بہ دستم ز جم، ولی واژوں[۲۶]

تلمیع کی ایک صورت 'ملمع مجوب' کی ہے، جس میں دو سے زیادہ زبانوں کو جمع کیا جاتا ہے۔ نظیرا کبرآبادی کی نظم 'خمسہ ہفت زبان' اس سلسلے کی بہترین مثال ہے۔ یہ خمسہ کُل سترہ بندوں پر مشتمل ہے، جس میں سے اوّلین نو بندوں تک ہر بند کے تمام مصارع اردو کے ہیں، دسویں بند سے ذولسانی بند شروع ہوتے ہیں، جن میں پہلے تین مصرعے اردو میں ہیں اور آخری دو کسی اَور مشرقی زبان میں:

غرض وہ عیّار میرے دل کو جو لے گیا چھل کے واں سے اُس دم
صبا کے قاصد کو میں نے بھیجا کئی زبانیں سکھا کے پیہم
جو پہنچے واں تو یہ کہیو پہلے تُو اس زباں سے بدیدۂ نم
پری رُخِ من، شکر لبِ من، دمے تو باز آ بہ پیشِ چشمم
به یادِ سروِ تو بے قرارم نہان عشقت شدہ است بالا

گیا ہے جب سے تو منھ دِکھا کر، نہیں پڑا چین مجھ کو اب تک
کھلی ہیں آنکھیں برنگِ نرگس، رہا ہوں تیری ہی راہ میں تک
جھمک دِکھا جا ٹُک اپنے رُخ کی کسی طرح سے تُو پھر یکا یک
فدائے وجهک عشقِ شرقا، دموعِ ہزا و من فراقک
کثیر حزنا مع الهموم ثقیل هجرا و کالجبالا

ہوئی وہ تقصیر مجھ سے کیا اب، تُو جس کے باعث جدا ہوا ہے
مرا تو جان و دل، اے پری رُو! تجھی صنم پرفدا ہوا ہے
کسی طرح سے تُو جلد آ جا نکلتی منھ سے یہی صدا ہے
تساڈے ملنے توں دل ہے بے کل، ایہی وہ کلّاں نت اُکھدا ہے [کذا]
سدائے مینوں دے اپنے گھر وچ نہیں تو اِتّھے اساڈے نال آ

تجھی میں رہتا ہے دھیان میرا، نہ سکھ ہے دل میں، نہ نیند نیناں
ترا ہی لیتا ہوں نام ہر دم، جپیں ہیں سمرن کو جیسے جپناں
کہیں سے آ مل تُو مجھ سے پیارے، جو میرے دل کو ٹک آوے چیناں
تُہاری آسا لگی ہے نس دن، تُہارے درشن کو ترسیں نیناں
دُلاری سندر، انوٹھے ابرن، ہٹیلے موہن، انوکھے لالا

تری جدائی میں، اے ستم گر! یہ سختی مجھ پر ہے اب گزرتی
نہ گھر میں دل کو قرار آوے، نہ میرا باہر کہیں لگے جی



نہیں جو آیا تُو اس طرف کو، یہ بات کیا تیرے دل میں ٹھہری
اَپا نے مَن کو جو چھینوں تھیں سی، اَبار کائیں لگائی اتنی
پھر اتّھیں آ کر کھبر لو مہاں کی، پلک کٹارا جو تہاں نے کھالا

وہ تیری صورت ہے جب سے دیکھی تو ہر دم آنکھیں رہے ہیں حیراں
جو کاکُل آتی ہے یاد تیری تو دل ہے ہوتا بہت پریشاں
ارے سجیلے! ارے چھبیلے! ارے دھبیلے! کبھی تو آ یاں
اگن برت ہے ہیا میں مورے، برہ میں تورے، اے من بھَوَنواں
تورے جو نیناں نے موہا ہی کو، نہ چتنو تنکو بھواؤ کھالا

گیا ہے جب سے تُو دل کو لے کر، نہیں ہے مجھ کو قرار یک جا
امید ملنے کی تیرے رکھ کر، اِدھر اُدھر ہوں مَیں جاتا آتا
ہُوا ہے میرا یہ حال اب تو تِری جدائی میں، اے دل آرا
جگت سبھا امت برہمکھ اٹک کہسُوا ممن کرن کھا [کذا]
دوا نے کیتی تمن سریجن نہ سدھ کی گڑ بر نہ بدھ کی جھالا(۲۷)

انشاء اللہ خاں انشا متعدد زبانیں جانتے تھے۔ اردو اور فارسی میں ان کے دواوین ہیں، 'قطعہ منقوط' اور 'روزنامچہ' ترکی زبان میں ہے، علاوہ ازیں قصائد اور غزلیات میں عربی اور ترکی اشعار اور مصارع میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ انشا نے نواب سعادت علی خاں کے قصیدے میں اردو، فارسی، عربی، سنسکرت، ماڑواری، کشمیری، مرہٹی، بھاشا، ترکی، پشتو، خراسانی اور انگریزی زبانوں کو جمع کیا ہے۔ اس قصیدے سے چند اشعار دیکھیے:

تیرے رُتبے کا بیاں کس سے ہو، ماشاء اللہ — نہ فقط ہند ہی کے لوگ ہیں کچھ تیری خدم
شاہِ ایراں یہی لکھتا ہے تجھے عرضی میں — بو کہ من هم ز عنایاتِ تو حظے ببرم
بخداوندیٔ آں کس کہ مرا شاہی داد — بندۂ حلقہ بگوشِ تو و چاکر ہستم
عرض کرتا ہے یہی والیٔ ترکستاں بھی — شاہ سن ایلہ گدا ادستنہ ایشاہ کرم

مدح میں تیری زبانِ عربی میں اشعار    شعرا پڑھتے ہیں مسرور ہو آپس میں بہم
مثلہ، لیس شجاع و امیر فی الدہر    خصہ اللہ مغیثاً بجمیع العالم
اور اطرافِ خراساں کے جو باشندے ہیں    تیری خدمت میں اسی طور سے لکھتے ہیں بہم
حق میں دشمن کے ترے یوں ہی کہیں ہیں رجپوت    کائیں باندھا چھری، بَیرے جو نہ ہو جائے بھسم
او <u>می لارڈ یُو ٹُو</u> اور <u>می پور سلیو</u>    <u>کنگ</u> انگریز یہ بولے ہے ترا دیکھ حشم
تیری آنکھوں کو کنہیا سمجھ اور اس کا عکس    گوپنیں برج کی کرتی ہیں یہ بنتی ہر دم[۲۸]

(خط کشیدہ انگریزی الفاظ کو یوں پڑھا جائے: O Me Lord you to اور Me poor slave۔ نیز King۔) علاوہ ازیں 'مخمس در ہندی و فارسی و ترکی و عربی و پنجابی'[۲۹] کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

علامہ شبلی نعمانی نے مثنوی 'صبحِ امید' میں اردو (۳۵۳/اشعار)، فارسی (۶/اشعار) اور عربی (ایک شعر) زبانوں کو جمع کیا ہے۔ مثنوی پانچ حصوں پر مشتمل ہے اور ہر حصے کا آغاز ایک فارسی شعر سے ہوتا ہے اور مثنوی کا اختتام بھی فارسی شعر سے کیا ہے؛ تاہم ان اشعار کی بحر مثنوی سے مختلف ہے اور ایک خاص وصف ان فارسی اشعار کا یہ ہے کہ ہر شعر کے دونوں مصارع ہم ردیف یا ہم قافیہ نہیں۔ آخری بند کے آخری شعر سے قبل کا شعر عربی زبان میں ہے۔ مثنوی کے آخری چھ اشعار بطور نمونہ پیش کیے جاتے ہیں:

اسلاف کے وہ اثر ہیں اب بھی    اس راکھ میں کچھ شرر ہیں اب بھی
اس حال میں بھی روِش وہی ہے    دِن ڈھل بھی گیا تپش وہی ہے
اس جام میں ہے شراب باقی    اب تک ہے گہر میں آب باقی
گو خوار ہیں، طرز و خو وہی ہے    مرجھا گئے پھول، بو وہی ہے
ھٰذا وَ لَقَدُ بَلَغَتُ اَقُصَاہ    فَاسُعَوُا وَ تَوَکَّلُوُ عَلَی اللّٰہ[۳۰]

صنعتِ تلمیع میں مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا نام بھی آتا ہے، کیوں کہ انھوں نے اپنی ایک نعت میں عربی، فارسی، ہندی اور اردو کو جمع کیا اور مستزاد یہ کہ نعت کی تخلیقی شان میں بھی اضافہ کر دیا۔ ترتیب یہ



ہے کہ مصرعِ اولیٰ میں عربی اور فارسی اور مصرعِ ثانی میں ہندی اور اردو یا اردو اور ہندی۔ ملاحظہ کیجیے:

لَمُ یَاتِ نَظِیُرُکَ فِیُ نَظَرٍ، مثلِ تو نہ شُد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سوہے، تجھ کو شہِ دوسرا جانا
اَلُبَحُر عَلَا وَ الُمَوُجُ طَغٰی، من بیکس وطوفاں ہوش رُبا
منجدھار میں ہوں، بگڑی ہے ہَوا، موری نیّا پار لگا جانا[۳۱]

رجحان ساز شاعر جون ایلیا کی ایک طویل نظم 'درخت زرد' کے ایک بند کے چند اشعار پیش کیے جاتے ہیں، جس میں جون نے اردو نظم میں انگریزی اور عربی اجزا شامل کر کے نظم کے لطف کو دوبالا کر دیا ہے:

پیا پے یہ گزارش، یہ گماں اور یہ گِلے کیسے
صلہ سوزی تو میرا فن ہے، پھر اس کے صلے کیسے
تو مَیں کیا کہہ رہا تھا، یعنی کیا کچھ سہہ رہا تھا مَیں
اماں! ہاں، میز پر یا میز پر سے بہہ رہا تھا مَیں
رُکو، 'مَیں' لاگ میں تھا، اس سے مَیں بے لاگ نکلا ہوں
مرا 'مَیں' لاگ میں تھا، اس سے مَیں بے لاگ نکلا ہوں
الا یـــا ایّھـــا الابـــجـــد ! ذرا یعنی، ذرا ٹھیرو
<u>دیئر اِز این ایبسرڈ آئی اِن ایبسرڈٹی</u> شاید
کہیں اپنے سوا، یعنی کہیں اپنے سوا ٹھیرو
تم اس absurdity میں اک ردیف، ایک قافیہ ٹھیرو[۳۲]

(خط کشیدہ انگریزی الفاظ کو یوں پڑھا جائے: There is an absurd I in absurdity۔)

مفتی غلام رسول قاسمی (پ: ۱۹۵۸ء) کا نعتیہ مجموعہ کلام 'خیر الکلام فی مدح سیّد الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام' اردو، عربی، فارسی، پنجابی، سرائیکی، سندھی، پشتو اور انگریزی پر مشتمل ہے۔ ان کی ایک نعت،[۳۳] جس کا ہر شعر الگ الگ زبان میں کہا گیا ہے اور شاعر کا کمال یہ ہے کہ تمام اشعار ایک ہی بحر میں

ہیں، حتیٰ کہ انگریزی شعر بھی اسی بحر میں کہا گیا ہے:

ست مکاں دے لامکان و ہر مکاں
ہر کلہ راشہ مکینِ لامکاں

سامنے آئے حقیقت منتظر
چھوڑیے اندیشۂ سود و زیاں

قَدْ تَنَوَّرَ حُسْنُهٗ فِی الْعَالَمِیْن
مَهْدُهٗ عَرْشٌ سَطِیْحٌ فِی الْجَنَان

چھیڑیاں نیناں دے پیالے چھلکدے
گیڑیاں کھول تے جھلاراں روندیاں

مال و جانِ ما فدائے رُوے تُو
دشمنِ ما پردہ ہاے درمیاں

مَیں گولیندی ہاں مٹھل منٹھار کوں
در بدر ٹکراں تے ٹھیڈے کھاندی آں

قاسي جي شان تنهجي شان ساں
انھیں کے چمکائی چھڈیو آلواں

<u>لاسٹ میسنجر اپیئرڈ اِن پران</u>
<u>نیور اینڈنگ پیس بی اون دیٹ ڈران</u>

(خط کشیدہ الفاظ اس طرح پڑھے جائیں: Last Messanger appeared in paran, Never-ending Peace be on that drawn.)

درج بالا مثالوں کے علاوہ بھی متعدد شعرانے تلمیح سے کام لیا ہے، لیکن حقیقت یہی ہے کہ علمِ بدیع کی یہ صنعت زیادہ معروف نہ ہوسکی۔ پروفیسر انور جمال کے مطابق، 'وجہ اس کی یہ ہے کہ تخلیقی دباؤ، تجربے کے mature ہوئے بغیر محض قصد و آہنگ سے stress کے تحت لکھی جانے والی



شاعری وقیع نہیں ہوسکتی'۔(۳۴)

اردو میں صنعتِ تلمیع کی اوّلین مثال حضرت امیر خسروؒ کے ہاں ملتی ہے اور وہ ایسی مثال ہے، جو کلاسیک کا درجہ اختیار کر چکی ہے، لیکن اسے امیر کا رنگِ سخن نہیں کہہ سکتے۔ اقبال کی شاعری پیغامبری ہے، چنانچہ ان کے ہاں اگر کہیں ایسی مثالیں ملتی ہیں تو اس کی وجہ تلمیع نہیں، بلکہ شعری ضرورت کے تحت ایسا ہوا ہے؛ البتہ دیگر شعرا کے ہاں تلمیع کی موجودگی کا سبب زیادہ تر پختگیٔ فن کے اظہار سے ہے۔ اس حوالے سے سب سے خوب صورت مثال مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی مذکورہ بالا نعت میں ملتی ہے، جس میں چار زبانوں کو جمع کیا ہے، لیکن وہ بھی اس عمل کو محض احباب کی فرمائش قرار دیتے ہیں اور اسے اپنا کمال نہیں سمجھتے:

بس خامۂ خام نواے رضا! نہ یہ طرز مِری، نہ یہ رنگ مِرا
ارشادِ احِبّا ناطق تھا، ناچار اس راہ پڑا جانا(۳۵)

یہ درست کہ یہ صنعت پنپ نہ سکی، لیکن اگر اس کی اہمیت کے پیشِ نظر عربی و فارسی زبانوں کے ساتھ ساتھ برِعظیم پاک و ہند کی دیگر ادبی زبانوں کے جملے اور مرکبات بھی اردو شعر و سخن کا حصہ بننے لگیں تو اردو زبان ارتقا کے ایک نئے دَور میں داخل ہوسکتی ہے۔

## حواشی

۱۔ شان الحق حقی، فرہنگِ تلفظ، (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۸ء)، ص ۳۱۶۔

۲۔ عبدالقدوس عرشی ڈبائیوی، قاضی، اصنافِ ادب اور علمِ بیان و علمِ بدیع، (لاہور: مکتبۂ عالیہ، ۱۹۹۱ء)، ص ۲۷۔

۳۔ نجم الغنی رامپوری، بحر الفصاحت، جلد ششم ہفتم، (لاہور: مجلسِ ترقیِ ادب، ۲۰۱۱ء)، ص ۱۴۰۔

۴۔ انور جمال، ادبی اصطلاحات، (اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۲۰۱۵ء)، ص ۸۳۔

۵۔ عبدالرحمٰن جامیؔ، کلیاتِ جامیؔ (لکھنؤ: نول کشور، س ن)، ص ۱۶۷۔

۶۔ ان اشعار کو شیخ سعدی شیرازی، عبدالرحمٰن جامی اور شیخ عبدالعزیز محدث دہلوی سے منسوب کیا جاتا رہا ہے اور اب تو حافظ شیرازی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا بھی نام لیا جانے لگا ہے۔ البتہ ڈاکٹر نجم الاسلام کے مطابق ''یہ امر تحقیق طلب ہے۔'' تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو کیا نعتیہ قطعہ 'یاصاحب الجمال و

یاسیّدالبشر‘ شاہ عبدالعزیز کی تصنیف ہے؟ مشمولہ تحقیق، جام شورو، شمارہ ۱۱/۱۰ (۹۷۔۱۹۹۶ء)، ص ۹۱۰۔۹۰۲

۷۔ بحوالہ ڈاکٹر جمیل جالبی، تاریخ ادب اردو، (لاہور: مجلسِ ترقیِ ادب، ۱۹۹۵ء)، جلد ا، ص ۲۸۔

۸۔ بحوالہ مولوی نجم الغنی رامپوری، محولۂ بالا ۳، ص ۱۴۳۔

۹۔ ضامن علی چشتی صابری، سیّد، گلدستۂ معرفت معروف بہ دیوانِ ضامن، (کانپور: مطبع مجیدی)، ص ۵۴۔۵۵۔

۱۰۔ بحوالہ ڈاکٹر جمیل جالبی، محولہ بالا ۷، ص ۲۸۔

۱۱۔ مولوی نجم الغنی رامپوری، محولہ بالا ۳، ص ۱۴۰۔

۱۲۔ شبلی نعمانی، کلیاتِ شبلی اردو، (اعظم گڑھ: دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی، ۲۰۰۷ء)، ص ۴۸۔

۱۳۔ علامہ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، (لاہور: اقبال اکادمی، پاکستان، ۲۰۱۳ء)، ص ۴۴۲، (طبع یاز دہم)۔

۱۴۔ ایضاً، ص ۳۶۲۔

۱۵۔ ایضاً، ص ۲۳۸۔

۱۶۔ ایضاً، ص ۱۰۷۔

۱۷۔ ایضاً، ص ۷۰۵۔

۱۸۔ نظیر اکبرآبادی، کلیاتِ نظیر مرتبہ اظہر راہی، (الٰہ آباد: رام نرائن لال بینی مادھو، ۱۹۷۶ء)، ص ۳۲۔

۱۹۔ پروانہ شاہ پوری، نعت (قلمی) مخزونہ عابد خورشید (سرگودھا)۔

۲۰۔ ایضاً، ص ۴۷۔

۲۱۔ میر سوز، کلیاتِ میر سوز مرتبہ زاہد منیر عامر (قلمی)، مقالہ پی ایچ ڈی، ص ۳۲۰۔

۲۲۔ علامہ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، محولہ بالا ۱۳، ص ۳۵۶۔۳۵۷۔

۲۳۔ ایضاً، ص ۲۵۱۔

۲۴۔ نظیر اکبرآبادی، محولہ بالا ۱۹، ص ۳۶۲۔

۲۵۔ شبلی نعمانی، محولہ ۱۲، ص ۴۳۔

۲۶۔ زاہد منیر عامر، تِرا عکس آئینوں میں، (لاہور: خزینۂ علم وادب، ۲۰۰۰ء)، ص ۱۹۔۲۰۔

۲۷۔ نظیر اکبرآبادی، محولہ بالا ۱۹، ص ۴۲۵۔۴۲۶۔

۲۸۔ انشاء اللہ خاں انشاء، کلیاتِ انشاء اللہ خاں انشا، (لکھنؤ: نول کشور، سنہ ندارد)، ص ۲۵۵۔۲۵۶۔

۲۹۔ ایضاً، ص ۴۲۰۔۴۲۱۔

۳۰۔ شبلی نعمانی، محولہ بالا ۱۲، ص ۳۶۔

۳۱۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی، حدائق بخشش، (کراچی: مکتبۃ المدینہ، ۲۰۱۲ء)، ص ۴۳۔



۳۲۔ جون ایلیا، یعنی، (لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء)، ص ۱۸۳۔

۳۳۔ بحوالہ شاکر کنڈان، نعت گویانِ سرگودھا، (سرگودھا: ادارۂ فروغِ ادب، ۲۰۱۴ء)، ص ۴۸۱۔۴۸۲۔

۳۴۔ پروفیسر انور جمال، محولہ بالا ۴، ص ۸۳۔

۳۵۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی، محولہ بالا ۳۲، ص ۴۴۔

## مآخذ

(الف) مطبوعہ:

۱۔ اقبال، علامہ محمد، کلیاتِ اقبال اردو، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۱۳ء [طبع یازدہم]۔

۲۔ انشا، انشاء اللہ خاں، کلیاتِ انشاء اللہ خاں انشا، لکھنؤ: منشی نول کشور، س ن۔

۳۔ بریلوی، احمد رضا خاں، مولانا، حدائق بخشش، کراچی: مکتبۃ المدینہ، ۲۰۱۲ء۔

۴۔ جالبی، جمیل، تاریخِ ادب اردو، جلد اوّل، لاہور: مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۹۵ء۔

۵۔ جامی، عبدالرحمٰن، کلیاتِ جامیؒ، لکھنؤ: نول کشور، س ن۔

۶۔ جمال، انور، پروفیسر، ادبی اصطلاحات، اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۲۰۱۵ء۔

۷۔ جون ایلیا، یعنی، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، چہارم ۲۰۱۴ء۔

۸۔ حقی، شان الحق، فرہنگِ تلفظ، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۸ء، [طبع سوم]

۹۔ عامر، زاہد منیر، تِرا عکس آئینوں میں، لاہور: خزینہ علم وادب، ۲۰۰۰ء۔

۱۰۔ سوز، میر، کلیاتِ میر سوز مرتبہ زاہد منیر عامر (قلمی)، مقالہ پی ایچ ڈی، پنجاب یونی ورسٹی اورینٹل کالج لاہور، ۱۹۹۸ء۔

۱۱۔ شبلی نعمانی، کلیاتِ شبلی اردو، اعظم گڑھ: دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی، ۲۰۰۷ء۔

۱۲۔ عرشی ڈبائیوی، قاضی عبدالقدوس، اصنافِ ادب اور علمِ بیان و علمِ بدیع، لاہور: مکتبہ عالیہ، ۱۹۹۱ء۔

۱۳۔ صابری، ضامن علی چشتی، سیّد، گلدستہ معرفت معروف بہ دیوانِ ضامن، کانپور: مطبع مجیدی۔

۱۴۔ کنڈان، شاکر، نعت گویانِ سرگودھا، سرگودھا: ادارہ فروغِ ادب پاکستان، ۲۰۰۶ء۔

۱۵۔ نجم الغنی رامپوری، مولوی، بحرالفصاحت، جلد ششم ہفتم، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۱۱ء۔

۱۶۔ نظیر اکبرآبادی، کلیاتِ نظیر مرتبہ اظہر راہی، الٰہ آباد: رام نرائن لال بینی مادھو، ۱۹۷۶ء۔

(ب) قلمی

۱۔ پروانہ شاہ پوری، نعت (قلمی) مخزونہ عابد خورشید (سرگودھا)